مولانا عتیق الرحمن سنبھلی ۔ مدیر "الفرقان لکھنؤ"

مقالہ:

انتہا پسندانہ ردِّ عمل

نا انصافیاں جب حد سے بڑھ جاتی ہیں اور لوگ انہیں سہتے سہتے تھک جاتے ہیں تو اس کا ردعمل انتہا پسندانہ شکلوں ہی میں ہوا کرتا ہے۔ اور انتہا پسندانہ شکلوں کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اچھے برے سے بھی بے نیاز ہوجائے۔ نتیجے کو نہ سوچے صرف ردعمل والے جذبے کی تسکین ڈھونڈے۔ پوری انسانی دنیا آج اسی نا انصافی اور ردعمل کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ قرآن کی زبان میں

ظهر الفساد فى البر والبحر بماكسبت ايدى الناس ليذيقهم بعض الذى عملوا لعلهم يرجعون O (سورہ الروم آیت ۴۱)

خشکی اور تری سب ہی میں لوگوں کے کرتوتوں کی بدولت فتنہ و فساد رونما ہے۔ اور یہ اس لیے ہے تاکہ خدا (جو اس کائنات کا فرمانروا ہے) لوگوں کو ان کے اعمال کا کچھ ذائقہ انہیں چکھادے شاید کہ وہ باز آجائیں۔

ردعمل کی انتہا پسندی کا ایک مظاہرہ گزشتہ سال اپریل کی ۱۹ کو امریکہ کے شہر اوکلاہوما (OKLAHOMA) کا وہ بم دھماکہ ہے جس نے پورے امریکہ کو دہلادیا۔ امریکہ جسے دنیا کے مختلف حصوں کے لوگ زندگی کی سہولتوں اور آسائشوں کے لحاظ سے جنت ارضی سمجھ کر وہاں دوڑے چلے جاتے ہیں، اس کے بارے میں بم کے اس لرزہ خیز دھماکے نے انکشاف کیا ہے کہ وہاں خود وہیں کے لوگوں میں ایسے بھی کتنے ہی ہیں کہ وہاں کے نظام کو اپنے لیے جہنم پاتے ہیں اور اس جہنم میں "جلتے جلتے ردعمل کی اس انتہا پسندی تک پہنچ جاتے ہیں کہ

جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

خود امریکن میگزین ٹائم کا کہنا ہے کہ

"قلب ملک کے ٹرک بم دھماکے نے یہ تلخ حقیقت الم نشرح کردی ہے کہ امریکہ میں خود اس کے اپنے خاص طرز کی ایک خوفناک نئی سیاسی مخلوق جنم لے چکی ہے جسے نفرت کا جنون اس درجہ پاگل کیے ہوئے ہے کہ نہایت وسیع پیمانے پر قتل و غارت کے بغیر اس کی تسکین ممکن نہیں۔ کون جانے کہ ایسے کتنے۔ ایک درجن؟ ایک سو؟ امریکن شہری ہیں جو اس درجہ شدت سے محسوس کر رہے ہیں کہ ان کی گورنمنٹ وہ شیطان اعظم ہے کہ اس سے نمٹنے کے لیے ان کے پاس مار دھاڑ ہی واحد راستہ ہے۔"

اس بم دھماکے میں جو ایک نو منزلہ سرکاری عمارت کو نشانہ بنا کر کیا گیا تھا۔ عمارت کی تباہی کے علاوہ سیکڑوں انسانی جانیں بھی دردناک طریقے پر ضائع ہوئیں۔ جن میں بچے بھی شامل تھے۔ اور یہ بچے اس سرکاری دفاتر والی عمارت میں اتفاق سے نہیں پہنچے ہوئے تھے بلکہ اس عمارت میں بچوں کا ایک ڈے کیئر سینٹر (DAY CARE CENTER) بھی واقع تھا (جہاں کام پر جانے والی۔ اور شاید اسی عمارت کے دفاتر میں کام پر جانے والی مائیں اپنے بچے چھوڑ دیا کرتی تھیں) یعنی یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ دھماکے کا جرم کرنے والے عمارت میں بچوں کی موجودگی کے قوی امکان سے بے خبر ہوں گے۔ بلکہ ٹائم کی رپورٹ میں تو جنون نفرت و انتقام کو یہاں تک پہنچا ہوا بتایا گیا ہے کہ زخمی بچے جائے واردات سے اٹھا کر بچوں کے جس اسپتال میں بغرض علاج پہنچائے گئے وہاں بھی فوراً ہی بم سے اڑا دیے جانے کی دھمکی موصول ہوگئی۔ اور بچوں کے جو ماں باپ

اسپتال پہنچ گئے تھے ان کو بہرحال اس دھمکی کے نتیجے میں اسپتال کی انتظامیہ کی طرف سے اجازت نہیں رہی کہ وہ اسپتال کی عمارت میں ٹھہر سکیں۔

امریکی شہر کے اس دھماکے کے سلسلے میں جو افراد پکڑے گئے ہیں یا جن کو شبہ کی نظر سے دیکھا جارہا ہے، ان کی شکایتیں بظاہر کچھ ایسی پرانی بھی نہیں تھیں۔ پھر جن دلوں میں شکایتیں مدتوں سے پل رہی ہوں۔ وہ اگر اپنے ردعمل میں انتہا پسندی کی راہ اختیار کرلیں تو کیا تعجب کی بات ہے؟ ہم یہاں جس انتہا پسند ردعمل پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں وہ آج مسلم دنیا میں پھیلتی ہوئی ردعمل کی کیفیت ہے۔

مسلمانوں نے مغربی طاقتوں کی استعماریت (IMPERIALISM) کے زمانے میں ان سے جو زخم کھائے وہ بجائے خود نہ بھلائے جاسکنے والی چیز ہے۔ مگر اب جبکہ اسلامی دنیا ان کے پنجۂ استبداد یا پنجۂ استبداد(۱) سے آزاد ہوچکی تھی اور امکان تھا کہ اس دور کی یادوں کی تلخی کم ہوجائے یہ طاقتیں اپنے ان مفادات کے چکر سے آزاد نہ ہوسکیں جن مفادات کا ذائقہ انہیں اپنی ملوکیت اور استعماریت کے زمانے میں پڑ گیا تھا۔ اور ان مفادات کے تحفظ کے لیے انہوں نے تمام عیارانہ طریقے اور وسیلے اختیار کیے۔ منجملہ ان کے سب سے بڑا "ادارہ اقوام متحدہ" (U.N.O) کا قیام تھا۔ اس ادارے کے ذریعے مغربی طاقتیں جس عیارانہ انداز میں اپنے مفادات کا کھیل کھیل رہی ہیں اس کی کبھی نہ فراموش کی جاسکنے والی مثال تو بوزنیا ہرزے گووینا میں اس ادارے کا کردار ہے جس کا سلسلہ مسلسل تین برس سے جاری ہے۔ اور اس سے ذرا ہی پہلے عراق کے ساتھ جو کچھ اس ادارے کی آڑ میں ہوا بلکہ ایک حد تک اب بھی ہو رہا ہے۔ یہ دو تو بڑی موٹی مثالیں ہیں ورنہ اس ادارے کا یہ "فیض" ہر سمت میں جاری ہے۔

ہلاک ، نے اس کے صیہونہ چھوڑ زمانے میں

مفاد پرستی کی یہ دراز دستیاں ہی مسلمانوں کے پرانے زخموں کو تازہ کردینے کے لیے کچھ کم نہ تھیں کہ مغرب یہ بات دیکھنے کو بھی تیار نہیں کہ مسلمان ملکوں میں اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کا بول بالا ہو اور وہاں کا نظام حکومت ازسرنو اسلامی اصولوں پر استوار ہو۔ وہ اس مقصد کے لیے اٹھنے والی تمام تحریکوں اور قوتوں کے خلاف اپنی نہایت مضبوط اور مؤثر پروپیگنڈہ مشینری کو حرکت میں لاکر ان ملکوں کی رائے عامہ پر اثر انداز ہونے اور مغرب زدہ منحرف قوتوں کی کامیابی کو یقینی بنانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھتا ہے۔ بلکہ بات رفتہ رفتہ یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اقوام متحدہ سے جو مختلف قسم کی امدادیں اور قرضے ضرورت مند ملکوں کو ملتے ہیں اور جو واقع میں مغربی ملکوں کے اثرونفوذ کی ضمانت ہی کا ایک ذریعہ ہیں۔ وہ بھی اندرون خانہ گویا اس پر موقوف ہو رہے ہیں کہ اسلام کا بول بالا نہ ہونے دینے کی ضمانت اہل حکومت سے ملتی رہے۔ اور ان کی مدد کے لیے یا ان کو دباؤ میں رکھنے کے لیے مفاد پرست (Fundamentalism) کا ایک لفظ مغرب نے بطور گالی کے رواج دیا ہے۔ جسے ہر اس آدمی اور تحریک و جماعت پر چسپاں کیا جاتا ہے جو اس زمانے میں اسلام کا بول بالا کرنے کی بات کرتا ہے۔ مغرب کی اصطلاح میں اس لفظ کا مطلب ہے۔ جاہل، رجعت پسند، شدت پسند، اور ظلمت پرست جو نئے زمانے کی روشنی اور ترقی کا دشمن ہے اور اس کے خلاف ہر ناکردنی کرسکتا ہے۔ لوگوں کو دہشت زدہ کرسکتا ہے قتل کرسکتا ہے اور بم دھماکوں کے ذریعہ بلا امتیاز تباہی بھی پھیلا سکتا ہے۔ چنانچہ اوکلاہوما کا یہ تباہ کن بم دھماکہ جو خود امریکیوں ہی کا کام نکلا، فوری طور پر انہی "اسلامی دہشت پسندوں" کے نام لکھ دیا گیا جو اب امریکہ میں بھی بسے ہوئے ہیں اور تقریباً چوبیس گھنٹے تک اسلامی دہشت پسندوں کے خلاف باتصویر پروپیگنڈہ کے دہانے کھلے رہے حتیٰ کہ پتہ چلا کہ یہ باریش (Bearded) ملا نہیں جو ممکنہ مجرمین (

Suspect) گردانے جارہے تھے بلکہ بے ریش امریکن ہی تھے۔

مسلم ملکوں میں بھی کسی طریقے پر اسلامی نظام حکومت اور طرز معاشرت کو واپس نہ آنے دینے سے مغرب کی دلچسپی کیسے جنون کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، اس کا کھلا نمونہ اس وقت مصر اور الجزائر ہیں مصر کے بارے میں تو مصر اسرائیلی سمجھوتہ(۱۹۷۹ء) کے بعد سے یہ بات ایک کھلی حقیقت ہے کہ مصر میں تمام تر ایک کٹھ پتلی حکومت ہے جس کی باگ ڈور امریکہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہی چیز ہے جس نے آج دسیوں برس سے اس حکومت اور ان مسلمانوں(بالخصوص نوجوانوں) کے درمیان جو ملک میں اسلامی قوانین چاہتے ہیں ایک خونریز معرکہ آرائی کی حالت قائم کر رکھی ہے۔ الجزائر کے بارے میں کسی کٹھ پتلی حکومت کی علامتیں نہیں پائی جاتی تھیں مگر وہاں بھی چند سال پہلے حکومت اور کامل اسلامی نظام کے علمبرداروں کے درمیان جو انتخابی معرکہ ہوا اور پہلے مرحلے(Round) میں یہ بات صاف طور سے سامنے آگئی کہ اسلامی نظام حکومت کے علمبردار پورا انتخابی معرکہ بھاری اکثریت سے جیتیں گے تو حکومت نے کسی بھی دوسرے عذر کا سہارا لیے بغیر انتخابات کا سلسلہ اسی مرحلے پر روک کر انہیں کالعدم قرار دے دیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ کردیا گیا۔ یعنی اسلامی نظام کے علمبرداروں کی جیت بجائے خود اس بات کےلیے کافی عذر ہے کہ ملک کا نام نہاد جمہوری نظام معطل کردیا جائے۔ اور اس کے بعد جو کچھ الجزائر میں ہو رہا ہے یعنی دونوں طرف کے سیکڑوں آدمی مارے جارہے ہیں۔ وہ سب کے سامنے ہے یہ ملک الجزائر مغربی دنیا کا قریب ترین اسلامی ملک ہے۔ مگر یہی مغربی دنیا جو چین میں، کوریا میں، روس میں، ہندوستان یا پاکستان میں، شام عراق ایران اور ترکی میں، غرض دنیا کے ہر خطے میں انسانی حقوق اور جمہوری آزادی کے احترام کی فکر میں ہمہ وقت چوکنا رہتی اور اس احترام کی کمی بیشی کو اپنے تعلقات اور اپنی عنایات کی کمی بیشی کا پیمانہ ٹھہراتی ہے۔ الجزائر کے اس زیر دیوار معاملے میں اس کے پاس ایک لفظ نہیں ہے۔ گویا کہ وہاں کسی جمہوری آزادی اور کسی انسانی حق پر آنچ نہیں آئی ہے۔ اور اس طرح یہ صاف طور سے اسلام کی روک تھام کےلیے ہر ناکردنی کی حمایت کا اظہار کر رہی ہے۔

یہ سب حالات کا ایک طویل اور ہمہ گیر سلسلہ جو مسلمانوں اور خاص طور پر ان کے حساس نوجوانوں کو کچوکے لگاتا آرہا تھا کہ اسی درمیان کمیونسٹ روس نے افغانستان پر اپنا پنجہ پھیلایا اور وہاں مختلف عوامل(Factors) کے ماتحت اس کے مقابلے میں ایک تحریک جہاد کھڑی ہوگئی جو دس سال تک جاری رہ کر اس معنیٰ میں کامیابی سے ہمکنار ہوگئی کہ روس کو اپنی سپر طاقتی کے دعوے کے باوجود وہاں سے پسپا ہوجانا پڑا۔ یہ جہاد جس کی پشت پر پاکستان اور پھر اس کی پشت پر امریکہ آکھڑا ہوا تھا مسلمانوں کےلیے اس معنیٰ میں ایک بین الاقوامی جہاد کی صورت اختیار کرگیا کہ بہت سے اسلامی ملکوں کے پرجوش نوجوان اس میں آشریک ہوئے۔ خاص کر پاکستان سے شریک ہونے والی تو بہت بھاری تعداد تھی یہ جہاد کامیابی سے ختم ہوا تو گویا پوری اسلامی دنیا میں جہادی روح کے تنقیب پیدا کر کے ختم ہوا اور وہ ابھی ختم ہوا ہی تھا کہ کشمیر میں جہاد آزادی کا بگل بج گیا۔ اور یہ بالکل اسی طرح کا جہاد تھا جس طرح الجزائر میں وہاں کی حکومت اور اسلامی علمبرداروں کے درمیان برپا ہے کہ حکومت نے الیکشن کے نتائج قبول نہ کر کے اپوزیشن کو ہتھیار اٹھالینے کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ یہی قصہ کشمیر کا تھا کہ حکومت ہند نے اہل کشمیر سے کیے ہوئے وعدوں ہی کو پس پشت نہیں ڈالا بلکہ الیکشن کو بھی ایمانداری سے صحیح نتائج ظاہر کرنے کا موقع نہیں دیا کشمیریوں نے بڑی تعداد میں جہاد افغانستان میں حصہ لے کر جنگ جوئی کی تربیت حاصل کرلی تھی۔ ان کی مسلح جدوجہد کو بھی پانچ

سال ہو رہے ہیں اور وہ کسی طرح حکومت ہند کے سارے لاؤلشکر کے باوجود قابو میں نہیں آرہے ہیں۔ تو یہ اولاً افغانستان اور پھر کشمیر، اس نے عالم اسلام کے جوان خون میں ہر طرف ایک رو دوڑادی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے لب جنگجوئی کی زبان ہی میں بات کرنا ہے اور تمام بدلے چکانے ہیں۔

جہاں تک اس سوچ کے فطری ہونے کا تعلق ہے اس سے تو انکار ممکن ہی نہیں۔ اس لیے کہ ناانصافیاں حد سے بڑھی ہوئی ہیں اور بعض بعض صورتوں (Cases) میں صدیوں پر محیط ہیں اور امریکہ کا تازہ بم واقعہ تازہ ترین گواہ ہے کہ ناانصافیوں کا احساس جب شدید ہوجاتا ہے اور آدمی کو ردعمل ظاہر کرنے کی گنجائش بھی نظر آتی ہے تو وہ اس حد تک جانا بھی اپنا بالکل فطری حق سمجھتا ہے جس حد تک امریکہ کا ٹموتھی جیمس میکوی (Timothy James Mc Veigh) اور اس کے ساتھی چلے گئے۔ مگر اس سوچ کے فطری ہونے کے اعتراف کے ساتھ اس کے بھی انکار کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ انتہا پسندانہ سوچ پر عمل نہ صرف یہ کہ ہمیشہ مہنگی پڑنے والی چیز ہے بلکہ اس سے نتائج بھی وہ نہیں نکلتے جس سے کہ آدمی خوش ہوکہ مہنگی قیمت پر چیز، اعلیٰ درجے کی حاصل ہوئی۔

افغانستان کے جہاد میں کامیابی کا جو حشر بدترین خانہ جنگی کی صورت میں ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے اور وہ بنیادی طور پر اس انتہا پسندی کا نتیجہ ہے کہ امریکہ اور یورپ کی نہ صرف مدد لینی جائز سمجھی گئی۔ بلکہ ان کےلیے سرپرستوں کا سا مقام قبول کرلیا گیا۔ اور قرآن کی یہ صریح آگاہی بھلا دی گئی کہ

یاایھاالذین امنو لاتتخذوا بطانۃ من دونکم لایالونکم خبالاً ط ودوا ماعنتم قدبدت البغضاء من افواھھم وماتخفی صدورھم اکبر ط قدبینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون (آل عمران ۱۱۸)

اے ایمان والو نہ بناؤ کسی کو بھیدی اپنوں کے سوا وہ (یہود و نصاریٰ) کمی نہیں کرتے ہیں تمہاری خرابی میں۔ ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں بھی پڑو۔ نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ ان کے جی میں ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے کھول کر بتادی ہیں تم کو پتے کی باتیں اگر تم کو عقل ہے۔

مغربی طاقتوں خصوصاً امریکہ کو جوان کا سرغنہ ہے سرپرستی کا مقام دینے کا جس کے نتیجہ میں وہ اندرونی معاملات میں داخل ہوگئے کیا انجام ہوا؟ موجودہ افغان حکومت کے نائب صدر جناب عبدالرب رسول سیاف ایک انٹرویو میں بتاتے ہیں (۲) کہ

"جب روسیوں کو یہاں مار پڑی تو انہوں نے امریکیوں سے بات کی کہ ہماری اس مشکل سے جان چھڑائیے۔ جنیوا معاہدہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ اور ہم نے اس کی مخالفت کی۔ نجیب کی حکومت ختم ہوجانے سے قبل اقوام متحدہ نے ایک پروگرام پیش کیاکہ وہ یہاں غیر جانبدار لوگوں کی حکومت بنائے اس میں سیکولر اور بے دین لوگ ہوں تاکہ مجاہدین حکومت پر کنٹرول حاصل نہ کرسکیں۔ ۔بینن سوان اس سلسلہ میں خاصی بھاگ دوڑ کر رہا تھا..........

یہی دن تھے جب ہم نے افغان مجاہدین رہبروں کو پشاور میں جمع کیا۔ ایک فارمولا بنایا اور ایک عبوری حکومت تشکیل دی۔ جب مجاہدین کی حکومت تشکیل پاگئی اور وہ یہاں پر آگئے تو اس وقت کے آپ اگر اخبارات دیکھیں تو اقوام متحدہ نے بیان دیا تھاکہ اقوام متحدہ کے تمام اراکین نے جو فیصلہ کیا تھا وہ یہاں پر ناکام ہوگیا ہے۔ اور یہ پہلی بار ایسا ہوا کہ اقوام متحدہ کا پہلا متفقہ فیصلہ ناکام ہوا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مجاہدین کی

حکومت کابل میں قائم ہوگئی ہے تو اب انہوں نے ایک دوسرے پلان پر عمل شروع کیا۔ کہ کسی طرح مجاہدین کو حکومت سے دور کریں اور جہاد و مجاہدین کو دنیا میں بدنام کریں۔ یہ پلان اس طرح تھا کہ اقتدار پسند اور جاہ طلب افغان لیڈروں سے استفادہ کیا جائے پھر انہوں نے اس طرح کے حالات پیدا کر دیے کہ آپس میں جنگ چھڑ جائے۔ اور یہ جنگ اس وقت تک طول کھینچے جب تک ان کے پاس اسلحہ ختم نہیں ہوجاتا۔ جب یہ جنگ چلتی رہے گی تو اس سے افغان قوم مجاہدین سے بیزار ہوجائے گی۔ ان کی شہرت بھی خراب ہوگی۔ اور خود کمزور پڑ جائیں گے۔ اور جب یہ لوگ بے وسائل ہوجائیں گے تو مجبوراً کسی دوسرے کو قبول کریں گے۔ اس وقت ہمارے پاس بہت سے ایسے دستاویزی ثبوت موجود ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ کن ممالک نے کس طرح یہاں مداخلت کی"

آج کل افغانستان کی خانہ جنگی کے پردے پر ایک نیا عنصر "طالبان" کے نام سے ابھرا ہے بلکہ اب تو زوال پذیر سا ہو رہا ہے۔ یہ ہم جیسے تمام "بے خبر" لوگوں کے لیے ایک معمہ تھا اور صرف قیاس آرائیوں سے معمہ کا حل تلاش کیا جارہا تھا۔ بالکل حال ہی میں پاکستان کے جنگ گروپ آف نیوز پیپرز نے دی نیوز انٹرنیشنل(The News International) کے نام سے جنگ اخبار کا ایک انگریزی سیکشن شائع کرنا شروع کیا ہے اس کی اشاعت ۳۰ اپریل ۹۵ء لندن) کے اداریتی کالم میں ان طالبان کی جو حقیقت بتائی گئی ہے اس کے بیان میں بھی انہی مغربی طاقتوں کا چہرہ سامنے آرہا ہے۔

"جب انٹرنیشنل کمیونٹی (یو۔ این۔ او) کو گلبدین حکمت یار کے بارے میں اندازہ ہوا کہ وہ اس کے کام کے نہیں ثابت ہوں گے تو یہ طالبان کا گروہ نظر انتخاب میں آیا جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کے گروپ سے تعلق رکھنے والے عربی مدارس کے طلبا پر مشتمل ہے۔ یہ گروہ یکایک ظہور میں نہیں آیا۔ بلکہ اس کے پیچھے دو سالہ واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ مثلاً مولانا فضل الرحمٰن کو امور خارجہ کی پارلیمانی کمیٹی کا چیئرمین بنایا گیا۔ بعد ازاں پاکستانی وزیر داخلہ نے مغربی ملکوں کے سفراء کی ایک پارٹی کے ساتھ افغانستان کا سفر کیا۔ اور پھر سفراء کی یہ پارٹی جن جن علاقوں سے گزر تھی۔ یہی وہ علاقے تھے جن میں طالبان کی فتوحات کے جھنڈے بلند ہوئے۔ اس لیے کہ اس پارٹی نے مقامی کمانڈروں کو یہ اطمینان دلا کر ان فتوحات کے لیے زمین تیار کردی تھی۔ کہ طالبان کا لشکر تمہیں تمہارے اقتدار سے نہیں ہٹائے گا۔ اس کا نشانہ صرف خانہ جنگی کا خاتمہ اور امن کا قیام ہے۔ کس قدر دلچسپ بات ہے کہ جب طالبان کی فتوحات کا شہرہ ہوا۔ اور قدرتی طور سے ان کے بنیاد پرست اور انتہا پسند مسلمان ہونے کے شبہات ظاہر کیے گئے تو امریکہ کے نائب وزیر خارجہ نے ایک پریس کانفرنس کی رپورٹ کے مطابق اس سلسلے میں کہا کہ ہم ان پر یہ فتویٰ لگانے میں جلد بازی مناسب نہیں سمجھتے ہیں۔" حالانکہ یہ خبر آچکی تھی کہ طالبان نے بعض علاقوں مثلاً قندھار میں سخت شرعی سزاؤں کا نفاذ بھی کر ڈالا ہے۔ پوچھا گیا کہ طالبان کے ساتھ امریکہ کے اس قدر فراخدلانہ رویے کا آخر راز کیا ہے؟ اور کیوں اس سے کوئی خطرہ نہیں محسوس کیا جارہا ہے؟ جبکہ اس بنیاد پرست گروہ کے بارے میں یہاں تک بتایا جارہا ہے کہ اسے ٹینک چلانے اور جیٹ فائٹر اڑانے کی ٹریننگ ملی ہوئی ہے؟ اس سوال کا جواب موصوف نے خاموشی میں ٹال دیا۔"

الغرض یہ کمیونسٹ روس کے خلاف جنگ میں ایک انتہا پسندی ہی تھی کہ مغربی طاقتوں کو مسلم محاذ میں اس حد تک داخل ہوجانے کا موقع دے دیا گیا کہ جہاد کے اچھے نتائج کے تمام خواب ایک ایک کرکے بکھرتے جارہے ہیں اور قرآن پاک نے خود فرمایا تھا کہ "لایألونکم خبالا"

(یہ تمہاری خرابی میں کوئی کسر اٹھا کے

رکھنے والے نہیں ہیں) وہ حرف بہ حرف سامنے آرہا ہے۔

بالکل ایسی ہی انتہا پسندی کا ایک منظر یہاں برطانیہ میں رہنے والوں کے سامنے کشمیر کے سلسلے میں آرہا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ ہم سب جانتے ہیں کہ انگریزوں کی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کا رہین منت ہے۔ وہی اس خطہ جنت نظیر کو جہنم زار بنانے کا سامان کر کے برصغیر سے آئے تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور مسٹر ریڈ کلف کے نام کشمیر کے حوالہ سے کس کو یاد نہیں ہیں۔ مگر یہاں اہل کشمیر کی طرف سے برطانوی حکومت اور ممبران پارلیمنٹ کے دروازوں پر ہر وقت دہائی ہے آپ انصاف دلوائیں۔ آپ حکومت ہند پر دباؤ ڈالیں۔

حالانکہ ان سے جس "دوا" کی توقع فی الحقیقت کی جانی چاہیے وہ تو "لایألونکم خبالاً" کے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں۔ جس لیبر پارٹی سے زیادہ امید کی جارہی ہے اسی کی حکومت کا تو دور تھا جب کشمیر ہندو پاکستان کے درمیان ایک فتنے کی جڑ بنا کے چھوڑا گیا۔ اور آج بھی ان کے لیڈر آئے دن ثابت کرتے رہتے ہیں کہ ان سے اس بارے میں امید محض فریب خوردگی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جہاں انتہا پسندی اس حد تک لے جاچکی ہو کہ خواتین کی آئے دن کی بے آبروئی بھی ناقابل برداشت قیمت نہ ثابت ہو رہی ہو۔ وہاں انگریزوں سے دوا اور درماں کی مانگ کیوں کوئی عجیب چیز معلوم ہوسکے گی؟(۳)

لیکن افغانستان کے جہاد آزادی کا جو انجام ہمارے سامنے ہے اس کو دیکھتے ہوئے کشمیر کے بارے میں یہ سوچنے کی آخر کیسے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے کہ مغربی طاقتوں کو داخل کر کے ان ساری قربانیوں سے کوئی اچھا نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے جو ارض کشمیر میں دی جارہی ہے۔

اسی برطانیہ ہی کی سرزمین پر ہمارے انتہا پسندانہ ردعمل کی ایک ایسی شکل بھی رونما ہوگئی ہے جو راقم الحروف کے محدود علم میں تو اپنی کوئی دوسری نظیر نہیں رکھتی یہ شکل ہے برطانیہ میں خلافت اسلامیہ کے قیام کی تحریک! یوں تو خلافت اسلامیہ اور خلافت راشدہ کی دعوت ادھر کافی دنوں سے سننے میں آتی رہتی ہے۔ خود برطانیہ میں بھی ہمارے ایک دوست جن کا تعلق مہاجرین پاکستان سے تھا اور پیشے میں ہومیوپیتھک ڈاکٹر تھے اس کے بڑے داعی تھے۔ لیکن ان کے سامنے پاکستان کے نظام حکومت کا مسئلہ تھا اور وہ اسی کو سامنے رکھ کر پاکستانی لوگوں کا ذہن اس کے لیے تیار کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ اور اسی لگن میں وہ اب زیادہ پاکستان میں رہنے لگے ہیں۔ اگرچہ وہ نمایاں نہیں ہوسکے۔ اسلیے کہ سادہ آدمی تھے تقریر یا تحریر کا بھی ملکہ نہ رکھتے تھے لیکن ایک صاحب جو شامی الاصل بتائے جاتے ہیں دینی و اسلامی تعلیم کا پس منظر رکھتے اور تحریر و تقریر میں طاق ہیں ۱۹۸۵ء میں یہاں آئے اور حزب التحریر نام کی ایک جماعت کا ٹائٹل اپنے ساتھ لائے۔ جو ان کے بقول فلسطین میں قائم کی گئی تھی اور اب سب عرب ممالک میں بین (خلاف قانون) ہے (تحریر عربی میں آزاد کرانے کو کہتے ہیں) ان صاحب کا میدان کار مسلم نوجوان تھے۔ خاص کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اور اس میدان میں ان کو کافی کامیابی مل رہی تھی جمعہ کو اکثر مساجد پر ان کا خبرنامہ (Bulletin) تقسیم ہوتا تھا۔ جس میں نہایت سخت زبان میں بالعموم مسلم اور بالخصوص عرب حکمرانوں کے طرز حکومت کی مذمت اور ان کی کوتاہیوں پر تنقید اور قانون اسلامی کے نفاذ کی مانگ ہوتی تھی۔ ڈیڑھ سال ہوا کہ انہی صاحب اور ان کی جماعت کی طرف سے گزشتہ سال اگست ۹۴ء میں ایک خلافت کانفرنس کے پروگرام کا اعلان ہوا۔ اور اس کے لیے سال بھر برطانیہ کی ہر مسجد پر اشتہار بٹتے رہے اور یہ کام کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پرجوش نوجوان لڑکے کرتے تھے۔ ان اشتہاروں میں خاص طور پر

خلافت عثمانیہ (ترکی) کا حوالہ ہوتا تھا جو ۲۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو ختم کردی گئی تھی۔ اور اسی حوالے سے نظام خلافت کو دوبارہ وجود میں لانا اس کانفرنس کی غرض وغایت بتائی جاتی تھی۔ یہ اشتہار مسجدوں ہی پر نہیں تقسیم ہوتے تھے بلکہ آخر میں ملک کے چپے چپے پر چسپاں کیے جانے لگے تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو ہی متوجہ نہیں کرنا ہے بلکہ برطانوی معاشرے کو بھی چیلنج کرنا ہے کہ تمہارے ہاتھوں جو خلافت (عثمانیہ) تباہ ہوئی تھی اس کی تاسیس نو کی داغ بیل ہم تمہاری سرزمین پر ڈالنے کےلیے جارہے ہیں۔ محاورے کی زبان میں "تمہارے سینے پر مونگ دلنے کےلیے"

مسلم نوجوانوں کی یہ جذباتی کیفیت علاوہ ان تحریروں اور تقریروں کے جو وہ حزب التحریر کے پروگراموں میں سنتے اور پڑھتے تھے بہت کچھ رشدی کی کتاب کے قصے کا بھی بلاشبہ نتیجہ تھی۔ اس موقع پر نوجوانوں کے جذبات برطانوی حکومت اور برطانوی میڈیا کے بے حد مایوس کن بلکہ اشتعال انگیز رویے سے بےحد مجروح ہوئے تھے۔ اسی جذباتی فضا میں جب انہیں یہ بتایا گیا کہ خلافت جیسی مقدس چیز جس کے نہ ہونے سے آج مسلمانوں کے سارے مصائب اور مسائل ہیں انہی انگریزوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئی تو پھر برطانیہ کا پلا نوجوان خون جہاں ہر طرف آزادئ رائے اور آزادی اظہار کا سبق بھی ہے اور ماحول بھی، کیوں اپنے جذبات کے اظہار میں کسی پس و پیش کا شکار ہوتا۔ ان نوجوانوں سے باتیں کرکے صاف معلوم ہوتا تھا کہ خلافت کی اس تحریک سے ان کی دلچسپی کے پیچھے سب سے زیادہ تیز اور مؤثر جذبہ انگریز کو چیلنج کرنے کا ہے جس سے ان کے گھٹے ہوئے جذبات کو تسکین مل رہی ہے اور دوسرے نمبر پر یہ چیز کہ اس تحریک میں مسلم حکمرانوں کے خلاف نفرت اور بیزاری کے جذبات کی تسکین کا بھرپور سامان تو ہے ہی جن کو وہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سر پہ کہیں بھی کوئی مصیبت گزر جائے یہ کہیں بھی کچھ دم خم دکھاتے نظر نہیں آتے۔ گویا کہ عالم اسلام کوئی شئے نہیں ہے۔ اور اس کے ذمہ دار یہی حکمراں ہیں۔

ان نوجوانوں کے جذبات اور جوش عمل کی پوری قدر کے ساتھ ان کے اس طرز عمل کے بارے میں کوئی دوسری بات اس کے سوا کہنا ممکن نہیں نظر آتی کہ یہ ردعمل انتہا پسندی کی وہ شکل ہے کہ کسی مسمیرازم اور ہپنوٹیزم کے بغیر اس کے وجود میں آنے کا تصور بھی کم از کم راقم الحروف کےلیے تو مشکل ہے! ہم جانتے ہیں کہ خلافت اسلامی کا ادارہ برطانیہ ہی کے ہاتھوں نابود ہوا۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ برطانیہ ہی دراصل اب بھی ان طاقتوں کا امام ہے جن کی بدولت مسلم ملکوں کے اندر بھی اسلامی تحریکوں کا پنپنا مشکل ہو رہا ہے۔ ہمارے سامنے بوسنیا کی تباہی و بربادی کی وہ ریل (Reel) مسلسل چل رہی ہے جس میں برطانیہ سے بڑھ کر کسی کا ہاتھ نہیں۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ضرور ہونا چاہیے کہ برطانیہ کے اندر ہمارے حدود اربعہ کیا ہیں؟ وہ کون سا ذریعہ اور کون سی اسبابی طاقت ہمارے پاس ہے جس کے سہارے ہم برطانیہ میں اسلامی خلافت قائم کریں گے؟ اور اگر یہاں نہیں کسی اسلامی ملک میں قائم کرنا مقصود ہے تو یہ کون سی عقل کی بات ہوگی کہ ایک ایسے ملک میں اس کا ڈھول بجایا جائے جسے ہم سب سے بڑا دشمن اسلام ٹھہراتے ہیں؟ اور جہاں ہم اس آزادی تحریر و تقریر و اجتماع کے سوا جو تمام تر اس برطانوی پارلیمنٹ کے رحم و کرم پر ہے جس میں ہمارا اپنا ایک بھی نمائندہ نہیں ہے کوئی بھی اور مؤثر ذریعہ اپنے کسی مشن کی خدمت کا نہیں رکھتے۔ اور ہم ہی اس آزادی تحریر و تقریر کے بارے میں یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ یہ سب منافقانہ و عیارانہ پالیسی کے ماتحت ہے؟ پھر یہ "دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر" کے سوا اور کیا ہے؟ اور اس سے ہم اس کے سوا کیا نتیجہ حاصل کرسکتے ہیں کہ ان لوگوں کی آواز کو قوت بخش دیں

جو ہمیں اس ملک کے نظام اور تمدن کےلیے خطرہ بتاتے ہیں؟
یا اللہ! ہمارے جذبات اور ہماری قوتیں کس کس طرح اپنی ہی بربادی و نامرادی کے سامانوں میں صرف ہو رہی ہیں۔
اللھمّ الھمنا مراشد امورنا واصلح لنا شاٴننا کلہ ولاتکلنا الیٰ انفسنا طرفتہ عین۔

وہ تمام لوگ جو محسوس کرتے ہیں کہ انتہا پسندانہ ردعمل کے یہ تمام طریقے جو پورے عالم اسلام میں پھیلتے چلے جارہے ہیں خود سوزی سے کم نہیں ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ان کی اس حقیقت اور مضرت کو لوگوں خصوصاً نوجوانوں پر واضح کریں۔ اور انہیں بتائیں کہ وہ جس منزل کی تلاش میں ہیں ان کا راستہ اس منزل کو پالینے کا نہیں اپنے آپ کو گم کردینے کا راستہ ہے۔

حواشی حوالہ جات

(۱) "انتدب" ایک سیاسی اصطلاح ہے۔ جسے انگریزی میں (Manate) کہتے ہیں یعنی کسی علاقہ کا انتظام کسی دوسرے ملک کے سپرد کردینا۔ پہلی جنگ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ء کے خاتمہ پر فاتح مغربی اقوام کی "لیگ آف نیشنز" نے مشرق وسطی کے کچھ علاقوں کو فرانس اور برطانیہ کے زیر انتدب کردیا تھا۔ (۲) یہ انٹرویو موصوف نے نقیب ختم نبوت۔ ملتان۔ پاکستان کو دیا جو اس کی اشاعت اگست ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ (۳) عورتوں کی بے آبروئی کے پہلو پر ایک بہت قریبی اور فہیم، کشمیری دوست سے ایک مرتبہ بات کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اور ان سے اس کے گوارا کیے جانے کا جو جواز کانوں نے سنا اس کے بعد ہمت ہی نہ رہی کہ مسئلے کے کسی پہلو پر بھی اپنے کشمیری دوستوں سے بات کی جاسکے۔

(بشکریہ ماہنامہ الفاروق کراچی ذیقعد ہ ۱۴۱۶ھ)

(بقیہ از ص ۳۴)

تعبیر نہیں "

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس درمیانی حالت کے لئے "عالم مثال" کی تعبیر ایجاد فرمائی۔ اور موت کے بعد پیش آنے اور زندگی سے پہلے پیش آنے والے حالات کی توجیہ اسی اصطلاح کی روشنی میں فرمائی۔

(بشکریہ ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند (بھارت) مارچ ۱۹۹۶ء)

(بقیہ از ص ۹)

حقیقت افریقی حکومت پر منکشف ہوئی ہے۔ آپ لوگوں کو وہاں کی سب سے بڑی غیر مذہبی عدالت نے بھی مرتد اور کافر قرار دیدیا ہے۔ آپ "خطرہ" نہ ہوتے تو یہ الارم نہ بجتا۔
اللہ آپ کو اور تمام مرزائیوں کو مرزائیت سے توبہ کی توفیق دے (آمین)۔

....